کلامِ اقبال (اردو)

فرہنگ وحواشی

احمد جاوید

۱۔کلامِ اقبال (اردو) فرہنگ وحواشی کا منصوبہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔
۲۔حواشی میں مندرجہ ذیل امور کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔
الف:۔ اعلام اور تلمیحات: یعنی اقبال نے جن شخصیات، واقعات اور مقامات وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے یا ان کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کا ضروری تعارف۔
ب:۔ مشکلات...... یعنی ایسے مقامات جہاں خیال دقیق ہو یا الفاظ مشکل ہوں یا کوئی بنیادی تصور بیان ہوا ہو۔ان مقامات کی تشریح،توضیح اور تفصیل۔اس میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ عام قاری کی مشکل کو سادہ اسلوب میں حل کیا جائے اور وہ مقامات جہاں اہلِ علم الجھ سکتے ہیں یا غور وفکر پر مجبور ہو سکتے ہیں، ان پر علمی انداز سے قلم اٹھایا جائے تاکہ اس خیال اور تصور کی عظمت جسے عام سطح تک نہیں لایا جا سکتا، مجروح نہ ہو۔
ج:۔تکنیکی اور فنی محاسن: یعنی شعر میں پائی جانے والی لفظی رعایتوں، معنوی مناسبتوں اور فنی باریکیوں کا تجزیہ۔
۳۔فرہنگ میں کلیدی الفاظ اور اصطلاحات کو کھولا گیا ہے اور اس میں بھی اسی اصول پر عمل کیا گیا ہے جو حواشی کی شق ''ب'' میں بیان ہوا۔ ہر لفظ اور اصطلاح کے تمام معانی ایک ہی اندراج میں نہیں دیے گئے۔ ہر اندراج میں وہی معنی لکھے گئے ہیں جو اس خاص مقام پر اقبال کے پیشِ نظر تھے۔حتمی تدوین کے بعد کسی لفظ کے تمام معنوی پہلو یکجا حالت میں سامنے آ جائیں گے۔

○

صفحات ذیل میں فرہنگ وحواشی کے چند نمونے قارئین کی نذر کیے جا رہے ہیں۔

کلیاتِ اقبال (اردو)

احمد جاوید

ص کلیات۔ ۱۳۹

عشق گرہ کشاے: ۱- گرہ کھولنے والا عشق (عشق+گرہ کشا= گتھی سلجھانے والا، رکاوٹ دور کرنے والا، مشکل کشا + ے= یاے تعظیمی)۔۲- وہ عشق جو محبوب کی راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ گرا دیتا ہو۔۳- حقیقت کی تلاش میں عقل کی رہنمائی کرنے والا عشق

مزید دیکھیے: ''عشق''

ص کلیات۔ ۱۴۰

مستی تسنیم عشق: ۱-عشق کی تسنیم سے سیراب ہو کر حاصل ہونے والی بے خودی اور سرمستی۔ ۲- اللہ کے دیدار کی کیفیت۔۳- وحدت الوجود کی حقیقت کا تجربہ۔[مستی+تسنیم= جنت کی ایک نہر، مراد فیضان کا سرچشمہ+عشق= دیکھیے تمام اندراجات]

ص کلیات۔ ۱۴۸

عاشق ہرجائی: عطیہ فیضی کے نام ۱۷ر جولائی ۱۹۰۹ء کے ایک خط میں اقبال نے اپنے روّیے کی وضاحت کے لیے جس نظم کی اشاعت کا وعدہ کیا تھا، وہ یہی نظم ہے ('اقبال' از عطیہ بیگم۔ خالد ایڈیشن۔ص ۵۷)۔نظر ثانی میں ابتدائی متن میں پہلے بند کے تین اور دوسرے بند کا ایک شعر حذف کر دیا گیا۔

ص کلیات۔ ۱۵۵

پیامِ عشق: مطبوعہ مخزن اکتوبر ۱۹۰۸ء

یہ غزل نما نظم اس لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں اقبال کے بنیادی تصورات مثلاً خودی وغیرہ کی ابتدا نظر آتی ہے۔

ص کلیات۔ ۱۵۸

صیقلِ عشق: ۱۔ 'صیقل' اُس آلے اور عمل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے پتھر وغیرہ کو چمکا کر آئینہ بنایا جاتا ہے۔

ص کلیات۔ ۲۳۶

قوتِ عشق: ۱۔ وہ قوت جو کائنات کی وجودی تنظیم کو بدل سکتی ہے اور ماہیت اشیا پر تصرف کر سکتی ہے۔ ۲۔عشق کی معنویت عقل کے تقابل میں واضح ہوتی ہے۔ عقل اپنی آزاد حالت میں خلق کی محکوم اور خالق پر 'حاکم' ہے۔ جب کہ عشق خالق کا محکوم اور خلق پر حاکم ہے۔ عقل کے مطالبات فکر سے پورے ہوتے ہیں اور عشق کے قوت سے روحانی اور وجدانی ہے۔

ص کلیات۔ ۳۱۰

عشق: روحِ انسانی کی وہ قوت جو سود و زیاں اور راحت و زحمت کی فکر سے بے نیاز ہو کر محبوب پر نثار ہونا سکھاتی ہے۔ سرمستی اور بے باکی اس کے بنیادی اوصاف میں سے ہیں۔

ص کلیات۔ ۴۷

عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر

یعنی: ۱۔ دونوں میں سے کوئی آشکار ہو جائے، نتیجہ ایک ہی ہے۔ حُسن ظاہر ہو گیا تو گویا عشق پردے سے نکل آیا اور عشق آشکار ہو گیا تو گویا حُسن کا ظہور ہو گیا۔ مطالبہ یہ ہے کہ خدایا! خود کو ظاہر کر دے تا کہ مجھے پورا اظہار مل جائے یا میری حقیقت کو آشکار کر دے تا کہ تو پوشیدہ نہ رہے۔ ۲۔ بارِ الہا! یا تو خود کو ظاہر کر دے اور مجھے چھپا رہنے دے، یا مجھے ظاہر کر دے اور خود کو چھپا رہنے دے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک صورت ضرور ہونی چاہیے ورنہ یہ کارخانۂ وجود بے معنی ہے۔
اس شعر میں اقبال نے 'عشق' کو وحدت الوجود کی گرفت سے نکالا ہے اور اسے بقا، امتیاز اور غیریت کی اساس بنایا ہے۔

ص کلیات۔ ۳۵۰

عشق: ۱۔ حقیقتِ انسانی کا ذاتی داعیہ جو انسان کو اُس کے انفرادی اور نوعی تشخص کے اُفقی حدود سے بلند ہونے کی قوت دیتا ہے۔ ۲۔ اللہ نے چاہا کہ اُس کا ظہور ہو، یہ 'حُب' ہے۔ انسان اسی خواہشِ ظہور کا ایک فعال مظہر ہے اور ظہورِ حق کے لیے ضروری ہے کہ خود انسان بھی اپنے اُس کمال کے ساتھ ظاہر ہو جو اُسے مظہرِ حق بننے کے لیے بخشا گیا ہے اور جسے موجودیت کے عام پیمانوں سے نہیں ناپا جا سکتا، یعنی موجودات جن حدود سے عبارت ہیں وہ اس کمال کا

احاطہ نہیں کر سکتے۔ مظہریت کی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے جو اُس پر ڈالی گئی ہے، انسان بھی اپنی پوری حقیقت کے ساتھ ظاہر ہونا چاہتا ہے۔ اقبال کی اصطلاح میں یہ ''عشق'' ہے۔ گویا تقاضاے ظہور مشترک ہے، اللہ کی طرف سے ہو تو اس کا نام 'حب' ہے اور بندے کی طرف سے ہو تو 'عشق'۔ ۳- بندگی کا منتہا یعنی اللہ کے رنگ میں رنگ جانا۔

ص کلیات۔ ۳۵۳

نوائے عاشقانہ: ۱- عاشقانہ کلام، عشقیہ شاعری، نغمۂ محبت۔ ۲- اقبال کی شاعری جو عشق کی روایت سے تعلق رکھتی ہے۔ ۳- فطرت عاشق کا جمالیاتی اظہار جو کسی خارجی محرک کا محتاج نہ ہو۔

ص کلیات۔ ۳۵۴

عشق: ۱- اللہ سے والہانہ وابستگی کی قوت جو کائنات کو انسان کے لیے مسخر کر دیتی ہے۔ ۲- اللہ سے تعلق کی ہمہ گیری کا اصول جو مسلمان کے قلب کو مرکز بنا کر ساری دنیا میں ظہور کرتا ہے۔ ۳- انسان اور کائنات کی حقیقت اور اُن میں پوشیدہ کمالات کو بروے کار لانے والی قوت۔ ۴- دینِ محمدی ﷺ۔

ص کلیات۔ ۳۵۵

عشق: ۱- بندے کا اللہ کی کشش پر اپنے پورے وجود کے ساتھ لبیک کہنا اور بیچ کی تمام رکاوٹوں کو پھلانگ جانا۔ ۲- حقیقت تک رسائی کی واحد قوت۔

ص کلیات۔ ۳۶۳

نگاہِ عشق و مستی: ۱- وہ اندازِ نظر جو عشق اور سرمستی کی دین ہے۔ ۲- محبوب میں فنا ہو جانے والے کی نظر جو جدھر اُٹھتی ہے، محبوب ہی کو دیکھتی ہے۔ ۳- وہ آنکھ جو ساری بڑائیاں اور تمام خوبیاں محبوب ہی میں دیکھتی ہے اور اس کا یہ مشاہدہ عام اسلوبِ دید اور اندازِ فہم کی گرفت سے باہر ہونے کے باوجود، حقیقت اور صداقت پر مبنی ہوتا ہے۔ ۴- محبوب کی حقیقت تک رسائی رکھنے والی نگاہ، جہاں عقل و ہوش کا گزر نہیں۔ ۵- صورت سے معنی تک پہنچ جانے والی عاشقانہ بصیرت، جو منطق وغیرہ کی قید کو قبول نہیں کرتی۔ ۶- مجذوب کی نگاہ، جو مشاہدے کی عام روایت سے آزاد ہو کر کام کرتی ہے اور اس پر قانون کا اطلاق نہیں ہوتا، نہ براے تردید نہ براے تائید۔

ص کلیات۔ ۳۷۰

بتانِ عہدِ عتیق: ۱- زمانۂ قدیم کے بُت۔ ۲- خود ساختہ عقائد و تصورات جو قدیم زمانے سے آج تک انسان کو حق کی طرف سے جانے سے روکے ہوئے ہیں۔

نیز دیکھیے: 'طلسمِ کہن'

ص کلیات۔۳۷۳

عشق بتاں سے ہاتھ اُٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف

اس شعر میں غالباً یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ سیاسی اتحاد کرنے کی بجائے اپنی جداگانہ حیثیت پر زور دینا چاہیے۔ اس اتحاد سے بالآخر فائدہ ہندو ہی کو پہنچے گا۔ مسلمان ہر حال میں خسارے میں رہیں گے۔ نیز متحدہ ہندوستان کی آزادی کے لیے اپنی جانیں کھپانے کا کوئی حاصل نہیں، مسلمانوں کو اپنے لیے ایک الگ مملکت کے حصول کی جدوجہد کرنی چاہیے، جہاں اُن کی قومی بقا کے تمام اسباب یکجا ہوں۔

ص کلیات۔۳۷۳

سرِ مقام مرگ و عشق: موت اور عشق کے مقام کا بھید، موت اور عشق کی حقیقت۔
نیز دیکھیے: 'عشق ہے مرگِ باشرف'، 'مرگ حیاتِ بے شرف'

ص کلیات۔۳۷۳

عشق ہے مرگِ باشرف: ۱-عشق، عزت کی موت ہے، راہِ عشق میں جان دینا اعزاز کی بات ہے۔۲-عشق، موت کو ہمیشہ کی زندگی بنا دیتا ہے۔۳-عشق، فنا فی اللہ ہے۔

ص کلیات۔۳۸۵

عشق: ۱- ایمان کا حال بن جانا اور اُس حال کا پورے وجود اور اس کے تمام فعال عناصر مثلاً شعور، طبیعت، ارادے وغیرہ پر مستقلاً غالب آجانا۔۲- اصولِ ظہور جو مراتبِ الٰہیہ میں حُب ہے اور مراتبِ انسانیہ میں عشق۔ یعنی ذاتِ الٰہی کا ظہور 'حُب' کی وجہ سے ہوا اور ذاتِ انسانی کا اظہار عشق کی بدولت ہے۔

ص کلیات۔۳۸۵

غزل ۳۴

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی

یعنی خودی کی حقیقت، عقل سے نہیں بلکہ عشق سے کھلتی ہے۔

ص کلیات۔۳۸۹

غزل ۴۰

عشق: اللہ کی محبت جو بندے کو اللہ کے ملک کی سیر کرواتی ہے اور تسخیرِ کائنات کی قوت عطا کرتی ہے۔

ص کلیات۔۳۸۹

عیشِ منزل: پڑاؤ کی لذت، ایک جگہ جم کر رہنے کا آرام، کہیں پہنچ جانے کی خوشی۔

ص کلیات۔۳۹۴

عشقِ ید اللّٰہی: ۱- حضرت علیؓ کا سا عشق جو ید اللہ تھے،تقاضاے بندگی کی تعمیل وتکمیل میں جان ودل سے مشغول مومن کا عشق جس کے متعلق حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ اللہ ایسے بندوں کا ہاتھ بن جاتا ہے۔۲-عشق جو علم، شجاعت، کامرانی، آزادی اور اقتدار کا سرچشمہ ہے۔

ص کلیات۔۴۳۴

عشقِ گرہ کشاے: ۱- ہر مشکل کو حل کر دینے والا عشق۔۲-عشق جو دانش، دین، علم اور فن کی تمام گتھیاں سلجھا کر انھیں ان کی حقیقت سے واصل کرتا ہے۔۳- دلوں کی گرہ کھولنے والی محبت۔۴-عشق جو اُن تنگ حدود کو توڑ دیتا ہے جن میں زندگی گھٹ کر رہ جاتی ہے اور اس کا جوہر ظاہر نہیں ہو پاتا۔ [عشق + گرہ کشا= مشکل کشا + ے= یاے تعظیم جو عشق کی عظمت کی طرف اشارہ کرتی ہے]

ص کلیات۔۵۳۲

عشق ہے دیوانہ پن: علم یعنی عقل پرستی نے تو 'دیوانہ پن' کا لفظ تحقیر کے لیے استعمال کیا ہے مگر اقبال کا کمال یہ ہے کہ لفظ ومعنی کی ایک برتر روایت سے مدد لے کر اسی کلمے کو عشق کی عظمت کا بیان بنا دیا۔ عشق، 'دیوانہ پن' ہی ہے لیکن علم حقیقت تک پہنچ نہیں رکھتا لہٰذا دیوانگی کے ظاہری ولفظی مفہوم تک محدود رہا۔ اس کی نظر میں عشق اس لیے دیوانہ پن ہے کہ:

۱- اس کا مقصود جانا نہیں جا سکتا۔

۲- یہ جس فضا میں رہتا ہے وہاں عقل پنپ ہی نہیں سکتی۔

۳- یہ اسباب ونتائج سے بے پروا ہے بلکہ حقیقت کے ادراک واثبات کے ذہنی سانچے ہی کو توڑ دیتا ہے۔

۴- یہ وجود کو لازمانی ولامکانی مانتا ہے۔

۵- یہ عقل کی رہنمائی قبول نہیں کرتا۔

۶- عقل نے چیزوں کو جو معنی دیے ہیں، یہ انھیں نہیں مانتا۔

۷- یہ خود ٹک کر بیٹھتا ہے نہ چیزوں کو کسی ایک صورت یا معنی پر ٹکنے دیتا ہے۔

۸- عقل جو اُمور کو محال سمجھتی ہے یہ اُنھیں نہ صرف یہ کہ ممکن کہتا ہے بلکہ ایک دوسرے راستے سے جس پر عقل کے قدم نہیں پڑے، اُن کا ممکن ہونا ثابت بھی کر دیتا ہے۔

۹- یہ فنا کو بقا کی تمہید سمجھتا ہے اور انسانی خودی میں لازمانیت کی استعداد دیکھتا ہے۔
نیز دیکھیے: 'علم'، 'عقل'، 'عشق'، 'جنوں' [تمام اندراجات]

ص کلیات۔۵۳۱

عشق مکان ومکیں، عشق زمان و زمیں: ۱- ظہورِ حقیقت کے دو تعینات ہیں: مکانی اور زمانی۔ ہر تعین کی دو جہتیں ہیں: فعلی اور انفعالی۔ فعلی جہت، ظہورِ لطیف ہے اور انفعالی، ظہورِ کثیف۔ ظہورِ لطیف غیر مادی ہوتا ہے اور ظہورِ کثیف مادی۔ مکانی تعین میں 'مکان' ظہورِ لطیف ہے اور غیر مادی، جب کہ 'مکیں' ظہورِ کثیف ہے اور مادی۔ 'زمان' اور 'زمیں' کا بھی یہی معاملہ ہے۔ عقل چونکہ مادی اور غیر مادی کی دوئی یا تضاد کو مستقل ماننے پر مجبور ہے۔ لہٰذا اس کا فراہم کردہ علم، ظہور کے ان کائناتی مراتب کا بھی احاطہ نہیں کرتا۔ یہ عشق ہے جو حقیقت کے حالی استحضار کی بدولت خود اپنی ذات میں حقیقت کا مظہر جامع ہے۔ ظہور کے تمام انفسی و آفاقی تعینات اسی سے منعکس ہوتے ہیں اور اسی پر قائم ہیں۔ ۲- 'مکان'، 'مکیں' کی حدِ وجود ہے اور 'زمان'، 'زمیں' کی۔ ۳- کائنات میں وجود کے دو اصول ہیں: حرکت اور سکون۔ 'زمان'، حرکت کا اصول ہے اور 'مکان' سکون کا۔ عشق ان دونوں کا نقطۂ وحدت ہے۔

ص کلیات۔۵۳۳

عشق حیات وممات: ۱- عشق اُس بندۂ کامل کا حال ہے، جو یہ کہہ سکے کہ میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے۔ ۲- عشق، زندگی اور موت کی اصل ہے۔ اللہ نے جینے اور مرنے کو اسی کے لیے تخلیق کیا ہے۔ ۳- عشق، حقیقت بندگی ہے اور حیات وممات کمالِ بندگی کے دو پہلو ہیں۔

ص کلیات۔۵۳۳

عشق سراپا حضور: ۱- یعنی عشق وہ آنکھ ہے، جو حق پر جمی رہتی ہے اور جسے اللہ نے اپنے مشاہدے کے لیے ایجاد کیا ہے۔ ۲- عشق کے لیے حق محسوس ہے نہ کہ معقول۔

ص کلیات۔۵۳۳

عشق سکون وثبات: یعنی عشق، کمال اور دوام کی اصل ہے۔ 'سکون'، 'حرکت' کی ضد ہے جو نقص اور ادھورے پن سے پیدا ہوتی ہے اور 'ثبات'، 'تغیر' کا اُلٹ ہے جو فنا اور عارضی پن کا مظہر ہے۔

ص کلیات۔۵۸۳

عشق ناپید و خرد میگزدش صورتِ مار

عشق ناپید ہے اور عقل اُسے یعنی دورِ جدید کے انسان کو سانپ کی طرح ڈس رہی ہے۔

ص کلیات۔ ۱۳۷

محبت: ۱- اس نظم میں محبت کی اصطلاح مندرجۂ ذیل معنوں میں استعمال ہوئی ہے:
۱- وجود کی اولین حرکت۔ ۲- زندگی کا نقطۂ آغاز۔ ۳- زمانے کی بنیاد۔ ۴- نظامِ کائنات کی اصل۔ ۵- کائنات میں روح پھونکنے والی قوت۔ ۶- موجودات کا اصولِ تعلق۔ ۷- انسان اور کائنات کو مرتبۂ کمال تک پہنچانے اور ان کے تمام امکانات کو انتہائی درجے پر بروے کار لانے والا خداوندی فیضان۔
۲- محبت کے اجزاے ترکیبی: ہدایت رسانی، مقصود تک پہنچانے کی مستقل لگن، تہ داری، بے قراری، پاکیزگی، حیات بخشی، بے نیازی، عاجزی، ایثار اور ابدیت۔

ص کلیات۔ ۳۰۵

علم ومحبت: ۱- معرفت اور عشق۔ ۲- علم کا تعلق اللہ کی صفات اور اُن کے آثار یعنی کائنات سے ہے۔ اور محبت کا ذات سے ہے۔ ۳- علم، صورتِ شے کا حصول ہے اور محبت حقیقتِ شے کا۔ صورت، حقیقت پر دلالت کرتی ہے اور حقیقت اپنی لامحدودیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس دلالت کو قبول کرتی ہے۔ اس سطح پر پہنچ کر 'معلوم' اور 'محبوب' ایک ہوجاتے ہیں۔ کانٹ نے علم پر جو دروازہ بند کردیا تھا، محبت اسے کھول دیتی ہے کیونکہ محبت، وجود کے اُن احکام واحوال تک رسائی رکھتی ہے جن کے ادراک واثبات کی شرائط علم بالحواس سے پوری نہیں ہوتیں۔ ۴- حصول جو عقل کے اور وصول جو حواس کے نقص سے پاک ہے۔ ۵- اصطلاحِ تصوف میں علم سے مراد حُبِ عقلی ہے اور محبت سے حبِ عشقی حسّی۔

ص کلیات۔ ۳۰۵

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی

'معلوم' کی انتہا نہ ہوگی تو علم بھی بے انتہا ہوگا اور 'محبوب' لامحدود ہوگا تو محبت کی بھی کوئی حد نہ ہوگی۔ چونکہ مسلمان کا 'معلوم ومحبوب' اللہ ہے لہٰذا اس کا علم بھی غیر محدود ہے اور محبت بھی۔ اس کا علم اپنی ہر جہت سے...... خواہ دُنیاوی ہو یا اُخروی، انفسی ہو یا آفاقی، عقلی ہو یا حسی، طبیعی ہو یا مابعد الطبیعی...... اللہ ہی کی کسی نہ کسی پہچان پر تمام ہوتا ہے، اور یہی حال اس کی محبت کا ہے کہ جس طرف بھی لپکتا ہے، اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔
نیز دیکھیے: ''علم ومحبت''

ص کلیات۔ ۳۰۷

دگر شاخِ خلیل از خونِ ما نم ناک می گردد
ببازارِ محبت نقدِ ما کامل عیار آمد

(سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی لگائی ہوئی ٹہنی ہمارے لہو سے سیراب ہورہی ہے۔ محبت کے بازار میں ہماری جنس کھری نکلی اور سونا سچا)

ص کلیات۔۳۵۲

آوارۂ کوے محبت: ۱- محبت کی گلی میں مارا مارا پھرنے والا، عاشق۔ ۲- کوچۂ محبوب میں بے قرار پھرنے والے۔ ۳- محبوب سے وصال کا آرزومند۔ ۴- جذب کی راہ سے اسما وصفات کی تفصیلی سیر کرنے والا عاشق جس کی منزل ذات ہے۔

ص کلیات۔۳۶۲

محبت: اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے ایسا تعلق جو کسی اور تعلق کی گنجائش نہ چھوڑے اور بندے کے تمام نقائص کا ازالہ کر کے اُسے مرتبۂ کمال تک پہنچا دے۔ یہی تعلق انسان کو اپنی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے اور نائبِ حق کی حیثیت سے اس کے کردار کا تعین کرتا ہے۔

ص کلیات۔۳۷۴

نخچیرِ محبت: محبت کا شکار، عشق کا مارا۔

ص کلیات۔۳۸۹

غریبانِ محبت: جنھیں عشق نے بے گھر اور بے وطن کر دیا ہو، اہلِ محبت جو دنیا میں مسافر اور اجنبی بن کر رہتے ہیں۔